خطبۂ صدارت

مجلسِ اَدب، لاہور

از

مولوی عبدالحق صاحب

معتمد اعزازی انجمن ترقیٔ اردو پاکستان

شائع کردہ

انجمن ترقیٔ اردو پاکستان۔ کراچی

۱۹۴۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ صدارت

دوستو اور عزیزو۔ جس وقت آپ کا دعوت نامہ مجھے پہنچا تو میں اس وقت انجمن اور اس کے کالج اور بعض دوسرے نہایت ضروری اور اہم کاموں میں مصروف تھا۔ لیکن میں نے اُن سب پر آپ کی خواہش کو ترجیح دی اور آپ کے ارشاد کی تعمیل میں یہاں حاضر ہو گیا۔ کیونکہ جو خدمت آپ نے دفاتر میں اُردو رائج کرنے کی پیش نظر رکھی ہے وہ ایسی خدمت ہے جسے پاکستان کے اس دور میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔

میں آپ کی مجلس کو اپنی طرف سے نیز انجمن ترقیٔ اُردو پاکستان کی طرف سے مبارک باد دیتا ہوں۔ آپ ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ آپ نے وقت کے تقاضے کو صحیح طور پر سمجھ کر اس کام کا آغاز کیا ہی۔

قومی زبان کی اہمیت اور قوّت و اثر کو بہت کم لوگوں نے سمجھا ہی۔ اس کا ہر لفظ، ہر جملہ، ہر محاورہ اور روزمرہ، اُس کی ہر ترکیب ہماری تہذیب، ہمارے آداب اور ہماری معاشرت کی جڑوں اور ریشوں تک پہنچی ہوئی ہی۔ اور اس کے ایک ایک لفظ کے پیچھے ہماری تاریخ و تہذیب کا ایک بڑا سلسلہ ہی جس کی تہ میں ہماری زندگی کے نقوش کا تانا جال پھیلا ہوا ہی۔ یہ ہمارے اسلاف کی صدہا سال کی دماغی وذہنی، اخلاقی و روحانی کاوشوں کا نتیجہ ہی۔ اس زبان نے جسے ہماری قومی زبان ہونے کا فخر حاصل ہی ہر دَور میں زمانے کا ساتھ دیا اور ادب و معاشرت، سیاست اور علم و فن کی ضروریات کو کماحقہٗ پورا کیا اور کبھی اُس کی طرف سے کوتاہی

نہیں ہوئی۔

آپ کو معلوم ہے کہ اسلامی عہد میں سرکاری اور دفتری زبان فارسی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے میں بھی ایک مدت تک فارسی ہی رہی۔ لیکن بعد میں فارسی کی جگہ کسی دیسی زبان کا اختیار کرنا تجویز ہوا۔ ہندستان بھر میں جتنی زبانیں تھیں اُن میں اُردو ہی ایسی زبان پائی گئی جو ملک میں عام طور پر رائج تھی اور تقریبًا ہر جگہ بولی یا سمجھی جاتی تھی اس لیے فارسی کی جانشینی کا فیصلہ اسی کے حق میں ہوا۔ انگریزوں کو اُردو سے کوئی خاص محبّت نہ تھی۔ یہ اِس زبان کی ہمہ گیری کی صفت تھی جس نے اُسے اس رتبے پر پہنچایا۔ چنانچہ ۱۸۳۷ء سے وہ سرکاری زبان قرار پائی۔ عدالتوں کے فیصلے اور دفتروں کی کارروائی اُردو میں ہونے لگی۔ پنجاب میں بھی سکھوں کی عملداری میں سرکاری زبان فارسی تھی۔ انگریزی تسلّط کے بعد یہاں اُردو کا رواج شروع ہو گیا۔ جب اس بارے میں اعلیٰ حکام سے رائے طلب کی گئی تو سب نے بالاتفاق

اُردو کے حق میں رائے دی اور لکھا کہ اُردو کے سوا کوئی دوسری زبان ایسی نہیں جو عدالتوں اور دفتروں کی کارروائی کے لیے کارآمد ہو۔

اُردو کے لیے انگریزی قانون اور مختلف محکموں کے جدید قواعد وضوابط نئی چیز تھے۔ لیکن وہ اس میں بھی ہیٹی نہیں رہی اور ثابت کر دیا کہ اُس کی جولانی صرف شعر وسخن تک محدود نہیں بلکہ وہ ہر فن اور زندگی کے ہر شعبے کی کیفیتوں اور ضرورتوں کے پورا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ فارسی عربی کے قانونی الفاظ جو پہلے سے موجود تھے مناسب موقع و محل پر استعمال کیے گئے اور انگریزی کے ایسے الفاظ یا اصطلاحات کے لیے جن کے مترادف ہماری زبان میں نہیں تھے ایسے الفاظ وضع کیے گئے جو انگریزی مفہوم کو پوری طرح ادا کرتے ہیں۔ بلکہ بعض صورتوں میں ہمارے لفظ انگریزی الفاظ سے زیادہ موزوں اور خوب صورت ہیں۔ تعزیرات ہند، قانون شہادت، ضابطۂ فوجداری، قانون مال گزاری وغیرہ اس کے شاہد ہیں۔

حیدرآباد دکن میں تمام عدالتوں، دفتروں، محکموں، سررشتوں اور مختلف اداروں کا کام اُردو میں ہوتا تھا اور ہم اُس کے ایسے عادی ہو گئے تھے کہ یہ بات ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ آتی تھی کہ کوئی وقت ایسا بھی آئے گا کہ ہمارے بھائی اُردو کو استعمال کرتے ہوئے شرمائیں گے یا اُن کے دل میں اس قسم کے شبہات پیدا ہوں گے کہ یہ زبان ہمارے محکموں اور دفتروں کے کام نہیں آسکتی۔ یہ اُردو پر بُہتان ہے۔ ہندستان میں جو کچھ ہوا تھا وہ تو تھا ہی، حیدرآباد نے اس میں ایسی توسیع اور ترقی کی کہ انگریزی کی کسی موقع پر بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی ایسی ستھری اور خوب صورت اصطلاحیں اور الفاظ وضع کیے کہ جنھیں دیکھ کر حیرت اور خوشی ہوتی تھی کہ ہماری قومی زبان میں یہ گُن بھرے ہوئے ہیں۔ کچھ دن ہوئے کہ اس بارے میں ایک دفتری افسر سے گفتگو ہوئی وہ اپنی مشکلات کا ذکر کرنے لگے اور فرمانے لگے کہ انگریزی میں مقررہ اور جچے تُلے دفتری الفاظ واصطلاحات

پہلے سے موجود ہیں، ہم بلا تامّل لکھتے چلے جاتے ہیں اور کوئی
دقّت پیش نہیں آتی۔ میں نے عرض کیا کبھی اس پر بھی غور
کرنے کی زحمت فرمائی کہ اُردو بھی اس خدمت کو اُسی خوبی
سے انجام دے سکتی ہے۔ یہ ناواقفیّت لاعلمی اور کاہلی کا نتیجہ
ہے۔ لاعلمی اس لیے کہ آپ اپنی زبان سے واقف نہیں اور نہ
اُس کے مطالعہ کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ اور کاہلی اس لیے کہ
آپ اپنی زبان کے الفاظ و اصطلاحات کی تلاش کرنے
کی کوشش نہیں کرتے۔ کہنے لگے کہ اور تو میں کیا کہوں چند
معمولی فقرے عرض کرتا ہوں جو ہم روزانہ اپنی مراسلت میں
استعمال کرتے ہیں۔ اب آپ بتائیے کہ اُردو میں انھیں
کیونکر لکھیں گے۔ چنانچہ وہ انگریزی جملے اور لفظ بولتے گئے
اور میں اُس کے جواب میں اُردو ہم معنی الفاظ اور جملے
عرض کرتا گیا۔ چونکہ آپ کی مجلس کا تعلق ایک بہت بڑے
دفتر سے ہے اس لیے اُن میں سے چند لفظ اور جملے آپ کی
دلچسپی کے لیے لکھتا ہوں:

1. Please refer to your letter No. Date

تعارف کارروائی کے لئے ملاحظہ ہو مراسلہ نشان........ مورخہ......

2. Put up with file
مسل کے ساتھ پیش ہو

3. Bring up
بالمشافہہ

4. Submitted to Secretary
بملاحظہ جناب معتمد صاحب

5. Provision
گنجائش

6. Put up draft
مسودہ پیش ہو

7. Edorsement on file
مسل پر تجویز

8. In continuation of
بہ سلسلۂ ......

انصاف شرط ہی اُردو کے جملے اور لفظ انگریزی سے کس بات میں کم ہیں۔ مانا کہ انگریزی میں نت نئے الفاظ داخل ہوتے جاتے ہیں اور اُردو میں اُن کے مترادف پہلے سے موجود نہیں۔ انگریزی میں پہلے سے یہ لفظ کب موجود تھے۔ نئی چیزیں ضرورت پیدا کرتی ہی۔ نئے الفاظ بھی ضرورت سے بنائے جاتے ہیں۔ انگریزی میں بنائے جاسکتے ہیں تو

اُردوُ میں کیوں نہیں بن سکتے ۔ ہمیں اپنی زبان میں الفاظ بنانے کی اس لیے ضرورت ہی کہ انگریزی اصطلاحات اور الفاظ ایک خاص اور قلیل طبقے تک محدود رہتے ہیں ۔ ہم جو الفاظ اپنی زبان میں بنائیں گے وہ خواص اور عوام دونوں میں مقبول ہوں گے ۔ لوگوں کے ذہن ان الفاظ کے مفہوم تک یا کم از کم مفہوم کے قریب تک تو ضرور پہنچیں گے ۔

پنجاب میں پھر بھی حالت امید افزا ہی کہ یہاں مدت دراز سے اُردوُ مروج ہی اور یہاں کے اسکولوں اور اکثر دفتروں میں ایک حد تک اُردوُ کا رواج ہی۔ لیکن سندھ کی حالت بہت افسوسناک ہی۔ وہاں زندگی کے ہر شعبے پر انگریز مسلط ہی۔ عجیب بات یہ ہی کہ انگریزی کو روا رکھا جاتا ہی لیکن اُردوُ کو نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہی کہ سندھ کا تعلق ایک مدت تک بمبئی سے رہا اور ہندو زندگی کے ہر شعبے پر چھائے ہوے تھے ۔ پاکستان بننے کے بعد بھی سنّت قدیم باقی رہی ۔ انجمن ترقیٔ اُردوُ پاکستان کو اس میں سخت مشکل پیش آئی ۔ انجمن نے اکثر دفاتر کو اس طرف

توجہ دلائی۔ بعض نے کچھ توجہ فرمائی۔ بعض نے ہامی بھری مگر کچھ نہ کیا۔ ایک دفتر کے افسر اعلیٰ نے اس کا بہت بُرا مانا۔ گویا ہم ایک بدعت کے مرتکب ہوئے اور انگریزی جیسی مقدس زبان کے حق میں ہم نے بڑی گستاخی کی۔ اس بارے میں ہم تین۳ محکموں کے افسروں کے خاص طور پر شکر گزار ہیں کہ اُنھوں نے ہماری درخواست کو لبیک کہا۔ پاکستان ریلوے کے ڈائرکٹر جنرل نظام الدین صاحب اور محمد خورشید صاحب پبلک ری لیشن افیسر نارتھ ویسٹرن ریلوے نے ریلوے ٹائم ٹیبل اور ریلوے کے ضوابط و قواعد اور قوانین کا مجموعہ ہمارے پاس ترجمے کے لیے بھیج دیا۔ ہم نے دن رات محنت کر کے ان کا ترجمہ کر ڈالا۔ وہ انگریزی الفاظ اور اصطلاحات جو ناقابل ترجمہ سمجھی جاتی تھیں ہم نے اُن کے لیے اپنے لفظ وضع کیے جو انگریزی سے بہتر نہیں تو کم بھی نہیں۔ دوسرے ناظم بلدۂ کراچی سید ہاشم رضا صاحب ہیں جنھوں نے اپنا دفتر اُردو میں کر دیا۔ زاہد حسین صاحب گورنر اسٹیٹ بنیک دولت پاکستان ریزرو بنیک کی رپورٹ کا اُردو

ترجمہ اور بینک کی اصطلاحات کی لغت اپنی نگرانی میں تیار کرا رہے ہیں۔ بعض اور دفتروں نے بھی کچھ کچھ انگریزی الفاظ بھیجے کہ اُن کے لیے اُردو مترادف ڈھونڈ کر یا وضع کر کے دیں۔

ہمارے دفتروں کے حکام کو اپنی قومی زبان کی قدر و قیمت معلوم نہیں۔ اس لیے اس کا احساس بھی نہیں۔ بات یہ ہی کہ ہمارے دفتروں کے اعلیٰ حکام وہی حضرات ہیں جو انگریزی عہد میں یہی کام کرتے تھے۔ انگریزی حکومت سے اُن کو جو برکات ورثے میں ملی ہیں اُن میں سے ایک انگریزی زبان بھی ہی۔ بنے بنائے الفاظ اور اصطلاحات، بنے بنائے فارم، نقشے اور رجسٹر وغیرہ پہلے سے چلے آرہے ہیں وہ آنکھ بند کر کے لکھتے چلے جاتے ہیں۔ اپنے الفاظ تلاش کرنے یا وضع کرنے میں محنت پڑتی ہی۔ آسانی طلب اور راحت پسند طبائع اسے گوارا نہیں کرتیں۔ وہ چاہیں تو یہ سب کچھ ہو سکتا ہی لیکن یہ اُنھیں پسند نہیں۔ انگریزی کے جو لفظ وہ لکھتے آئے ہیں وہی مرغوب خاطر ہیں۔ ان لفظوں سے انھیں ایسا اُنس

ہو گیا ہی کہ ان کا ترک کرنا شاق ہوتا ہی۔

دوسری وجہ جو اس ذہنیت کی ذمہ دار ہی اور اس کا جز لاینفک ہی وہ ہمارا طریقۂ تعلیم ہی جو اب تک جاری ہی جسکو ہمارے سابق فرماں رواؤں نے ایک خاص سیاسی مصلحت سے ہمارے لیے بہت سوچ سمجھ کر تیار کیا تھا۔ ہم انگریز کی فکر بلیغ اور دور بینی کی داد دیتے ہیں۔ کیا کام کر گیا ہی کہ بنائے نہیں بنتی۔ وہ چلا گیا۔ ہم آزاد ہیں۔ مگر وہ اپنا ایک ایسا قائم مقام چھوڑ گیا ہی جو اُس سے کہیں زیادہ خطرناک ہی۔ ہم انگریزی کے مخالف نہیں۔ ہم اُس کی خوبیوں کے مدّاح ہیں۔ اس سے ہمیں بہت کچھ فائدہ پہنچا ہی۔ اُسے بین اقوامی حیثیت حاصل ہی۔ اب بھی اس کا پڑھنا ہمارے لیے مفید ہی۔ لیکن ہم اسے یا کوئی غیر زبان ہو زبان کی حیثیت سے پڑھنا چاہتے ہیں۔ ہمیں یہ گوارا نہیں کہ وہ زبان ہمارے ذہن و دماغ، آداب و اخلاق، تہذیب و تمدّن، معاشرت و سیاست پر مسلّط ہو جائے۔ اور ہم سب کچھ کھو کر اس کے بندے ہو جائیں۔ ہمارے

اعلیٰ تعلیم یافتہ انگریز کی طرح سوچتے اور فکر کرتے، انگریز کی طرح پڑھتے اور لکھتے، انگریز کی طرح اُٹھتے اور بیٹھتے، یہاں تک کہ انگریز کی طرح ہنستے اور روتے تھے اور خفا ہوتے تو اینگلو انڈین گالیاں دیتے۔ خیر سے اس زمانے کے یادگار بزرگ اب بھی موجود ہیں۔ انگریز کیسا خوش قسمت اور خوش اقبال تھا کہ اُسے ایسے نیک اور وفادار بندے ملے۔

میں ایک بار سر سکندر حیات خاں مرحوم کے عہد وزارت میں یہاں آیا۔ اور وزیر تعلیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن سے درخواست کی کہ یونی ورسٹی میں نہیں تو کم سے کم میٹریکولیشن کی جماعتوں میں اُردو کو ذریعۂ تعلیم کر دیا جائے۔ اس سے یہ ہو گا کہ رفتہ رفتہ یونی ورسٹی کے درجوں میں بھی اُردو ذریعۂ تعلیم ہو جائے گی۔ یہ سننا تھا کہ اُن پر ایک جلالی کیفیت طاری ہو گئی۔ فرمانے لگے کہ اُردو ہو یا ہماری کوئی اور زبان ہرگز ذریعۂ تعلیم نہیں ہو سکتی۔ کوئی زبان انگریزی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آپ اس زمانے میں ایسی باتیں کرتے

ہیں جب کہ لوگ کوٹ پتلون پہنتے اور پاٹ پر بیٹھتے ہیں ۔"
اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ " اگر میرا بس چلے تو کشمیر سے لے کر
راس کماری تک انگریزی ہی انگریزی کر دوں ۔" اِنّا لِلّٰہِ
وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

بہت دنوں کا ذکر ہے کہ سر اکبر حیدری ، سر سید راس مسعود اور
میں میسور گئے اور سر وِس وِس وِرائیا دیوان ریاست میسور
کے مہمان رہے ۔ ایک دن وہ سر اکبر حیدری سے کہنے لگے کہ
آج سہ پہر کو آپ میرے ساتھ چلیے گا ۔ سر اکبر کپڑے پہن کر تیار
بیٹھے تھے کہ دیوان صاحب اندر سے آئے اور بیٹھ گئے ۔
چلنے کو اُٹھے ہی تھے کہ اُن کی نظر سر اکبر حیدری کے جوتے پر
پڑی ۔ حیرت سے کہنے لگے کہ یہ سہ پہر کا جوتا نہیں ، آپ نے
اس وقت کیسے پہن لیا ۔ سر اکبر مغرب کے بعد جب واپس آئے
تو میں نے کہا آپ کے میزبان تو غضب کے فیشن ایبل معلوم
ہوتے ہیں ۔ کہنے لگے جب ہندستانی انگریزی فیشن پر آتا ہے
تو انگریزوں کو بھی مات کر دیتا ہے ۔

ایک نوجوان جو ایک نامور مولوی خاندان کے چشم و چراغ تھے علی گڑھ کالج میں پڑھتے تھے۔ انگریزیت کا خبط تھا۔ تعطیل کے زمانے میں اپنے وطن سہارنپور گئے تو ایک روز کلکٹر صاحب کی ملاقات کو بھی جا پہنچے۔ کلکٹر صاحب اُس وقت ایک پُرانی قمیص پہنے ہوئے تھے جس کے کفوں کے پھوسڑے نکلے ہوئے تھے۔ فیشن کے اس دلدادہ طالب علم نے یہ خیال کرکے کہ اتنا بڑا صاحب پُرانی قمیص کیوں پہننے لگا، یہ سمجھا کہ ہو نہ ہو آج کل کا نیا فیشن یہی ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ گھر پہنچتے ہی ساری قمیصیں نکالیں اور ایک ایک کے پھوسڑے نکال ڈالے۔

ایسی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ یہ جنوں نہیں تو کیا ہے۔ ایسے مجنونوں کی تعداد پہلے بہت تھی۔ اب کم ہو چلی ہے۔ پھر بھی کم نہیں۔ انگریزیت کے پرستار اب بھی موجود ہیں۔ جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں ہم انگریزی کے مخالف نہیں۔ انگریزیت کے البتہ مخالف ہیں۔ جس میں وہ تمام عادات و خصائل،

روایات وخرافات آجاتی ہیں۔ جو انگریزی طریقۂ تعلیم اور انگریزی ماحول سے پیدا ہوجاتی ہیں۔ اس طریقہ نے ایک نیا طبقہ پیدا کر دیا تھا جو نہ انگریز تھا نہ ہندی۔ انگریزوں سے ان کا تعلق کیسا کچھ تھا مگر اپنے بھائیوں سے بالکل بے تعلق تھے ــــــــ وہ اپنی تہذیب، اپنے آداب واخلاق سے بے گانہ ہو گئے تھے اور اپنی زبان اور ہر چیز کو حقارت سے دیکھنے لگے تھے۔ اس طریقہ نے ہم سے بہت سے قابل جوہر چھین لیے اور اُن کی زندگی بے کیف کر دی۔ اس سے خاص کر ہماری قوم کو جو نقصان پہنچا اس کا اثر اب تک باقی ہے۔

نہیں خالی خطر سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن
حذر اُس لُوٹ سے جو لُوٹ ہے علمی و اخلاقی
نہ گل چھوڑا نہ برگ و بار چھوڑا تو نے گلشن میں
یہ گل چینی ہے یا لُٹس ہے گل چیں! یا ہے قزّاقی!

صاحبو! زبان کسی ایک شخص کی ایجاد نہیں ہے۔ اس کے بنانے اور ترقی دینے میں ساری قوم نے کام کیا ہے اور جب تک قومی زبان میں جان باقی ہے یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ اس لیے

قومی زبان، قومی خصائص، اور قومی اتحاد کا نشان ہے۔ اور جیساکہ ایک ادیب نے لکھا ہے "کوئی شے قوم کے کیریکٹر اور اُس کی ذہنی اور روحانی قوت کو اس صفائی سے ظاہر نہیں کرتی جیساکہ اُس کا اظہار قومی زبان کے ذریعہ سے ہوتا ہے" اس کھوئے ہوے اثاثہ کو حاصل کرنے اور انگریزیت کے اثر کو زائل کرنے کے لیے لازم ہے کہ ہماری تعلیم قومی زبان کے ذریعہ سے ہو اور تمام علوم وفنون اپنی زبان میں منتقل ہوں۔ ورنہ جو زنگ لگ چکا ہے وہ اور گہرا ہوتا جائے گا۔

کہا جاتا ہے کہ ہماری زبان میں یونی ورسٹی کی تعلیم کے لیے علوم وفنون کی کتابیں نہیں ہیں۔ اس لیے یہ ذریعۂ تعلیم نہیں ہوسکتی۔ یہ عذر نیا نہیں۔ جب کبھی ایسا موقع آیا تو یہی عذر کیا گیا۔ تقریبًا سوا سو سال ہوتے ہیں جب دہلی کالج میں جدید علوم کو اُردو کے ذریعہ سے پڑھانے کی تجویز کی گئی تو اس وقت بھی یہی کہا گیا کہ اُردو زبان میں نہ تو کتابیں ہیں نہ پڑھانے والے، یہ کام کیوں کر انجام پائے گا۔ لیکن کالج کے فاضل پرنسپل اور

پروفیسروں نے اس اعتراض کی کچھ پروا نہ کی۔ اُردو میں پڑھانا شروع کر دیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ کتابیں تالیف و ترجمہ کرنے کا کام بھی ہوتا رہا۔ تقریباً سوا سو کتابیں مختلف علوم و فنون پر تالیف و ترجمہ کر ڈالیں۔ اگر ۵۷ء کی شورش حالات کو درہم برہم نہ کر دیتی تو یہ کالج اُردو کی پہلی یونی ورسٹی ہوتا۔ اس کے بعد ۱۸۶۷ء میں سرسید احمد خاں نے اُردو یونی ورسٹی کی اسکیم گورنمنٹ میں پیش کی۔ حکام نے بہت ہمدردی کا اظہار کیا۔ لیکن وہی عذر کیا گیا کہ اُردو میں کتابیں نہیں ہیں حالاں کہ سرسید نے اپنی درخواست میں یہ صراحت کر دی تھی کہ سائنٹفک سوسائٹی اس خدمت کے انجام دینے کے لیے آمادہ ہے۔ انجمن پنجاب نے بھی اسی زمانے میں اسی قسم کی درخواست کی تو اُسے بھی قسمت کا لکھا وہی جواب ملا۔ جب حکومت حیدرآباد نے ایک ایسی یونی ورسٹی بنانے کا قصد کیا جس میں تمام علوم و فنون کی تعلیم کا ذریعہ اُردو زبان ہوگا تو وہی فرسودہ اور پامال اعتراض کیے گئے

حیدر آباد کی حکومت ہماری تہذیب و زبان کی سچی حامی اور سرپرست تھی ۔ جو بات ناممکن نظر آتی تھی اور جس کے اقدام کی جرأت کسی کو نہ ہوئی وہ اس نے ممکن کر دکھائی اور ثابت کر دیا کہ ہماری قومی زبان میں ہر علم اور فن کی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کی صلاحیت ہے ۔ تیس سال تک برابر تمام علمی شعبوں میں اُردو کے ذریعہ سے تعلیم دی جاتی رہی ۔ اور وہاں سے سینکڑوں قابل نوجوان تعلیم پاکر نکلے جن میں سے بعض نے ہندستان اور یورپ میں نام پیدا کیا ۔

کس قدر افسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ اس کے بعد بھی وہی عذر لنگ پیش کیا جاتا ہے جو سوا سو برس پیش تر کیا گیا تھا ۔ حالاں کہ کتابیں موجود ہیں ۔ پڑھانے والے موجود ہیں ۔ ان کتابوں اور استادوں کے پڑھائے ہوئے سند یافتہ اشخاص موجود ہیں جو کیمبرج و آکسفورڈ کی یونی ورسٹیوں میں بے چون وچرا داخل کیے گئے اور وہاں بھی امتیاز حاصل کیا ۔ ہندستان اور یورپ کی یونی ورسٹیوں نے جامعہ عثمانیہ

اور اس کے امتحانات کو تسلیم کیا۔ اُن ماہران تعلیم نے جو اس طریقۂ تعلیم کی جانچ کے لیے آئے تھے، جامعہ کی کارگزاری اور طریقۂ تعلیم کی داد دی۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے آج بھی ہمارے بزرگ یہی کہے جاتے ہیں کہ کتابیں نہیں، اس لیے اُردو ذریعۂ تعلیم نہیں ہوسکتی۔ انگریزی ہی ذریعۂ تعلیم رہے گی۔ یہ کوئی نہیں بتاتا کہ یہ صورت حال کب تک رہے گی؟ کتابیں کب تیار ہوں گی؟ پڑھانے والے کہاں سے آئیں گے؟ اگر یہی حالت رہی تو کوئی توقع نہیں کہ ہماری قومی زبان ذریعۂ تعلیم ہوسکے۔ ہر بار جب یہ مطالبہ کیا جائے گا کہ اُردو ذریعۂ تعلیم ہو تو اس کا یہی جواب ملے گا کہ اُردو میں کتابیں نہیں اُردو ذریعہ تعلیم نہیں ہوسکتی۔ انگریزی ہی رہے گی۔ اور یہ سلسلہ یونہیں جاری رہے گا، ایک نامحدود مدت تک جس کی انتہا ہمیشہ نامعلوم رہے گی۔

جامعۂ عثمانیہ کی مطبوعات کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ کیوں نہ فی الحال اس سے وہی کام لیں جو حیدرآباد میں لیا جارہا تھا۔

جب جامعۂ عثمانیہ کا آغاز ہوا تو کتابیں وہاں بھی نہیں تھیں۔ اس لیے تالیف و ترجمہ کا سررشتہ قائم کیا گیا اور دو سال تک لگاتار کام کرکے میٹریکولیشن اور انٹرمیڈیٹ کے لیے ہر علم و فن کی کتابیں اُردو میں تالیف و ترجمہ کی گئیں اور تعلیم شروع ہو گئی۔ اس کے بعد بی۔ اے، ایم۔ اے۔ اور دوسرے شعبوں کے لیے تیار ہو گئیں۔ اب ان کتابوں میں خامی ہو تو اسے رفع کیجئے۔ کمی ہو تو اسے پورا کیجئے۔ اسے اور ترقی دیجئے۔ تالیف و ترجمے کے ادارے قائم کیجئے۔ علم و حکمت کا دریا بہا دیجئے۔ حکومت حیدرآباد کی طرح عالی ظرفی، فراخ حوصلگی، اور جرأت سے بے دریغ روپیہ صرف کیجئے۔ خلافت عبّاسیہ نے یہی کیا۔ جاپان نے یہی کیا۔ حیدرآباد نے یہی کیا۔ کیوں پاکستان یہی نہ کرے۔ اور کیوں نہ اپنی مملکت اور قومی زبان کو علم و حکمت سے مالا مال کرے۔ یہ قوم کا تعمیری کام ہی۔ اس میں جھجک اور تذبذب ناجائز ہی۔

آپ کو معلوم ہی کہ ہندستان کے مسلمانوں پر کیا گزر رہی ہی۔ جان مال عزت و آبرو کوئی چیز محفوظ نہیں۔ ایذا دینے نقصان پہنچانے

اور تباہ و برباد کرنے کے لیے ہر روز نئے نئے ضابطے اور قاعدے وضع کیے جاتے ہیں۔ ضابطے سے الگ اور بے ضابطہ طور پر اس سے زیادہ پامال کیے جا رہے ہیں۔ پاکستان کی تحریک کے وقت ہمارے ان بھائیوں نے کیا کیا مصیبتیں نہیں جھیلیں اور قربانیاں نہیں کیں، اور پاکستان بننے کے بعد تو اُن پر مصائب و آلام کا آسمان ٹوٹ پڑا۔ یہ "سیکولر" گورنمنٹ ہی۔ سب سے پہلے زبان پر ہاتھ صاف کیا گیا۔ مدرسوں سے، کالجوں سے، دفتروں سے عدالتوں سے، دوسرے نیم سرکاری اور سرکاری اداروں سے، اسٹیشنوں سے سڑکوں سے غرض ہر جگہ سے نہایت سفّاکی کے ساتھ اُسے نکالا گیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ زبان قومیت کی جان ہی۔ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ زندہ ہی تو مسلمان بھی زندہ ہیں۔ اس کا گلا گھوٹنا مسلم تہذیب و تمدّن، اخلاق و آداب، مسلم معاشرت و روایات کا گلا گھوٹنا یعنی مسلمانوں کو فنا کر دینا ہی۔

صاحبو! اُردو نے ہر مسلم تحریک کی مدد کی ہی۔ وہابی تحریک کو اس نے مدد دی۔ سرسید کے مشن کو اس نے چمکایا۔

خلافت کا پیغام گھر گھر اس نے پہنچایا۔ لیگ کی آواز اُس نے شہر شہر اور گانوٗ گانوٗ پہنچائی۔ پاکستان کا پروپیگنڈا جس برق رفتاری اور قوّت سے اس نے اس برعظیم کے کونے کونے تک میں کیا اور مسلمانوں کے دلوں میں جو نیا ولولہ اور جوش اور ایک نئی زندگی پیدا کر دی، ہمارے اس زمانے کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں۔ کیا اب ایسے وقت میں جب اُسے اپنے وطن سے دیس نکالا ملا ہو پاکستان اس کی کچھ بھی مدد نہ کرے گا؟ کیا آزادی اور حکومت ملنے کے بعد وہ اپنے اس محسن کو بالکل بھول جائے گا؟

آپ کو شاید معلوم ہو یا نہ ہو۔ کہ ہندو مسلم اختلاف کی ابتدا سیاست سے نہیں بلکہ اُردوٗ کی مخالفت سے ہوئی ۱۸۶۷ء میں جب کہ نہ نیشنل کانگریس کا وجود تھا نہ کسی دوسری سیاسی تحریک کا، ہندوؤں نے اُردوٗ کی مخالفت کا آغاز کیا اور اُسے دفتروں عدالتوں اور دوسرے اداروں سے خارج کرنے کے لیے کوششیں شروع کیں۔ سر سید احمد خاں نے اُردوٗ کی حمایت میں اس مخالفت کا توڑ کیا اور مرتے دم تک اُردوٗ کی حفاظت وحمایت

میں مردانہ وار لڑتے رہے۔ ہندوؤں کی کوششیں اُس وقت سے برابر جاری رہیں اور اَسّی سال تک مسلسل اُردو دشمنی پر تلے رہے۔ اور مختلف صورتوں اور ترکیبوں سے اس آگ کو سلگاتے رہے۔ اور دو قومی نظریہ قائم کر کے ہندو مسلم اختلاف کو بڑھاتے رہے۔ دو قومی نظریے کے بانی ہندو تھے نہ کہ قائد اعظم یا مسلم لیگ۔ یہ قائد اعظم پر ہندوؤں کا بہتان ہی۔ یہ بڑی طولانی داستان ہی یہ موقع تفصیل کا نہیں۔ مختصر یہ کہ نیرنگیٔ تقدیر سے جو دشمن تھے حاکم ہو گئے اور انھوں نے جی بھر کر انتقام لیا۔ ان حالات پر غور کرنے کے بعد اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ قصر پاکستان کی تعمیر میں سب سے پہلی اینٹ جس نے رکھی وہ اُردو زبان ہی۔ اس لیے پاکستان پر اُردو کا بہت بڑا حق ہی۔ اور ہمارا مطالبہ ہی کہ پاکستان اس کا حق اسی طرح ادا کرے جس طرح ایک شریف احسان مند اپنے محسن کا حق ادا کرتا ہی۔

زبان کے بارے میں قائد اعظم کا ارشاد قول فیصل ہی مرحوم نے نہایت صاف صریح واضح اور پُر زور الفاظ میں ہمیشہ کے لیے

اس کا فیصلہ کر دیا ہی۔ انھوں نے فرمایا:-

"لنگوا فرنیکا صرف ایک ہی ہو سکتی ہی یعنی وہ زبان جو مختلف صوبوں کے مابین استعمال ہو سکے۔ اور وہ اُردُو ہو گی اور کوئی دوسری زبان نہیں ہو سکتی۔

مملکت پاکستان کی سرکاری زبان بلاشبہ اُردُو ہونی چاہیئے یہ وہ زبان ہی جس کی اس برعظیم کے دس کروڑ مسلمانوں نے غور و پرداخت کی ہی اور جو پاکستان کے طول و عرض میں ہر جگہ سمجھی جاتی ہی۔ مزید برآں یہ وہ زبان ہی جس میں بہ نسبت کسی دوسری صوبائی زبان کے سب سے زیادہ اسلامی تہذیب اور اسلامی روایات کا بہترین ذخیرہ ہی اور جو دوسرے اسلامی ممالک کی زبانوں سے قریب ترین ہی"۔

ایک اور موقع پر فرمایا:—

" میں آپ کو صاف صاف جتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اُردُو ہو گی، اور کوئی دوسری زبان نہیں ہو سکتی۔ جو کوئی اس بارے میں غلط فہمی پیدا کرنا چاہتا ہی وہ پاکستان کا

صریح دشمن ہی۔ بغیر ایک سرکاری زبان کے کسی قسم کا رشتۂ اتحاد مضبوطی سے قائم نہیں رہ سکتا اور نہ وہ اپنے فرائض منصبی انجام دے سکتی ہی"۔

اس زرّیں قول میں کئی باتیں قابل غور ہیں۔ ایک یہ پاکستان میں اُردو ہی بین صوبائی زبان ہی اور کوئی دوسری زبان نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہی سرکاری زبان ہی۔ تیسرے یہ کہ اس میں سب سے زیادہ اسلامی تہذیب و روایات کا ذخیرہ ہی۔ چوتھے یہ دوسرے اسلامی ممالک کی بانوں سے قریب ترین ہی۔ یہ کس قدر جامع قول ہی۔ قائد اعظم نے صرف چند جملوں میں ہماری قومی زبان کی فضیلت اور خصوصیتوں کو بڑی خوبی سے ادا کر دیا ہی۔

اب سوال یہ ہی کہ اس پر عمل کہاں تک ہوا ہے۔ سچ کہنا پڑتا ہی۔ کچھ نہیں ہوا۔ مطلق نہیں ہوا۔ آپ کہیں گے اس میں قصور حکومت کا ہی۔ ضرور ہی لیکن ہمارا بھی ہی۔ ہم اگر عمل پر کمر بستہ ہو جائیں تو حکومت کو کوئی چارہ اور کوئی عذر نہ رہے گا۔ یہی وجہ ہی کہ مجھے آپ کی تحریک سے کامل ہمدردی ہی۔ اور

میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ نے صحیح قدم اُٹھایا ہے اور صحیح قدم
منزل مقصود کا پیغام دیتا ہے۔

لیکن ایک بات یاد رکھیے کہ نرے جلسے کرنے، قرار دادیں
یا رزولیوشن منظور کرنے، پروگرام بنانے، ہنگامے کرنے، نعرے
لگانے کام نہیں آتے۔ اصل چیز عمل ہے۔ اور اسی کی کمی ہے۔
آپ نے اس وقت ایک خاص مقصد پیش نظر رکھا ہے۔
اب اُسی کے ہو جائیے۔ ادب، ادب والوں کے لیے چھوڑ
دیجیے۔ زبان کی ترقی لسانیات والوں کے لیے رہنے دیجیے
آپ صرف ایک ہی کام کیجیے۔ یہ معمولی کام نہیں۔ بہت بڑا
کام ہے۔ اگر آپ کی جدوجہد سے دفتروں میں اُردو رائج ہو گئی
تو آپ کی مجلس پاکستان میں بڑا نام پیدا کرے گی۔ اب آپ،
اپنے دوسرے بھائیوں یعنی دوسرے دفتر والوں سے تعلقات
بڑھائیے۔ ترغیب سے، اپنے قول و فعل سے، سمجھانے بجھانے
سے اور ضرورت ہو تو خوشامد درآمد سے انھیں اس رستے پر
لائیے۔ بعض اوقات آپ کو اس میں مشکلات اور ناگوار حالات

پیش آئیں گے۔ آپ ہمّت نہ ہارئیے گا۔ اپنا کام برابر کیے جائیے۔ آپ ضرور کامیاب ہوں گے۔ آپ کی کامیابی پاکستان کی کامیابی ہوگی۔ کسی کام کا اس سے بڑھ کر کیا صلہ ہو سکتا ہی۔ انجمن ترقیٔ اردو پاکستان کی طرف سے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ اس کام میں آپ کی ہر قسم کی مدد کرے گی۔

ہر کام کا انحصار حکومت پر رکھنا اچھی بات نہیں۔ یہ بے عملی کی دلیل ہی۔ حکومت کے پاس کچھ کم کام نہیں ہیں۔ خصوصاً اس نازک وقت میں اس کی مصروفیتیں حد سے بڑھ گئی ہیں۔ ہمیں بھی تو کچھ ہاتھ پانؤ ہلانے چاہئیں اور حکومت کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ اگر آپ نے یہ کام سچائی، خلوص، ہمّت اور بے غرضی سے کیا تو اس کا ضرور اثر ہوگا اور بہت سے لوگ آپ کے ساتھ ہو جائیں گے۔

یہ زبان کی خدمت نہیں، پاکستان کی خدمت ہی۔ اور بے لوث خدمت کرنے والے خدا کے مقبول بندے ہوتے ہیں۔ اگر ہر ادارہ اور ہر جماعت ایک ایک خدمت اپنے ذمّے

لے لے تو پاکستان خدا کی اس زمین پر دوسری جنّت بن جائے گا
پاکستان کو اس وقت مخلص اور بے لوث خدمت گزاروں کی
ضرورت ہے۔ اپنے ذوق اور بساط کے مطابق جو خدمت
جس سے بن پڑے کرنی چاہیئے۔ آپ نے نہایت ضروری اور
اچھی خدمت اپنے ذمّے لی ہے۔ بلا تامّل و تذبذب اس پر عمل
شروع کر دیجئے۔ خدا آپ کی مدد کرے گا۔
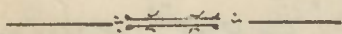
ت بن جائے گا
ت گزاروں کی
جو خدمت
ت ضروری اور
ب اس پر عمل